

تہذیبوں کے عروج و زوال میں علم کا کردار

مولانا محمد عیسیٰ منصور (لندن)

انسان کی قسمت علم سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیوی و اخروی کامیابی و فلاح کا مدار علم پر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت کے علم کے ساتھ علم الاسماء یعنی کائناتی علم سے بھی سرفراز فرمایا۔ جو بھی قوم کائنات کی ماہیت و حقیقت اور اس کے استعمال کے طریقوں سے زیادہ واقفیت رکھے گی دنیوی نظام و اقتدار ان کے حوالے کیا جائے گا یہی ہمیشہ ضابطہ خداوندی یا سنت اللہ رہی ہے۔

تشریحی و تکنیکی دونوں علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے انسانوں کو عطا کیے۔ اللہ کا آخری پیغام (قرآن) دونوں علوم سے بھرپور ہے۔ دونوں علوم کی اہمیت سیکڑوں آیات سے ہویدا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ایک وحدت کے طور پر دیا اور آپ کی تربیت کردہ جماعت نے دونوں علوم میں سرفرازی حاصل کی۔

کائناتی نظام کو احسن طریقہ پر چلانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات اور معاصر اقوام پر غلبہ کے لیے عصری ٹیکنالوجی میں سبقت دور عثمانی کے بحری بیڑے سے ظاہر ہے جس نے ۶۵۴ء میں اس دور کی سب سے بڑی سپر پاور (سلطنت روما) کے بحری بیڑے کے تمام پانچ سو جہاز ایک دن میں بحر روم میں غرق کر کے بحر روم سے ۸۰۰ سالہ رومی تسلط ختم کر کے اس پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم کر دی۔ اس کے بعد اسلامی بحری طاقت کو صدیوں تک کوئی قوم چیلنج نہ کر سکی۔ دور خلافت راشدہ کے بعد اسی سالہ اموی دور میں مسلمان افریقہ، وسط ایشیا یورپ کی فتوحات و استحکام کے ساتھ اس دور کے تمام کائناتی و عصری علوم و فنون میں اقوام عالم سے سبقت حاصل کر چکے تھے۔ مامون الرشید کے دور میں اقوام عالم کے پاس موجود انسانی تجربہ و تحقیق پر مشتمل کائناتی علوم کے یونانی، سریانی، سنسکرت اور لاطینی زبان سے اس قدر سرعت سے عربی میں تراجم ہوئے جو بعد کے ہزار سال میں نہ ہو سکے۔

نزول قرآن سے جن علوم کا چرچا شروع ہوا، جلد ہی قاہرہ، سسلی، طلیطہ، قرطبہ ان علوم کے مرکز بن گئے۔ دنیا کے کونے کونے سے کتابیں ان مراکز میں پہنچنے لگیں۔ یونان، مصر، ہندوچین کے تمام علوم آٹھویں صدی عیسوی تک عربی میں منتقل ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے ان علوم کا صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ انھیں عصری طور پر قابل فہم بنایا۔ یہ علوم جو مبادیات کے درجہ میں تھے، انھیں ارتقاء کے منازل طے کرائے تاریخ انسانی میں مسلمانوں سے قبل کسی قوم کو نبی نوع انسان کے علوم کے تمام جوہر کسی ایک خزانہ میں منتقل کرنے کا افتخار حاصل نہ ہو سکا تھا۔ مغرب کی سرحدوں پر ان علوم کے دو بڑے

مراکز تھے۔ ایک قریب، دوسرا سسلی ان مراکز سے یورپ میں علوم کی مشام جانفزا پہنچنے لگی۔ یاد رہے سسلی ابتداء میں تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کے زیر نگین رہا۔ اس لیے یورپ میں سب سے زیادہ علوم سسلی کے ذریعے منتقل ہوئے پھر اسپین میں ہزار ہا سال کے انسانی تجربات اور سائنسی علوم کو آگے بڑھانے کے لیے بکثرت یونیورسٹیز، تجربہ گاہیں اور رصد گاہیں قائم ہوئیں جو دنیا کے کائناتی علوم میں بے انتہا اضافہ کا سبب بنیں۔ تقریباً چھ سو سال تک مسلمان دنیا بھر کی اقوام سے کائناتی علوم و سائنس میں فائق رہے۔

جب سپین علوم و فنون سے جگمگا رہا تھا، یورپ وحشت و جہالت کے تاریک دور میں تھا، جب سپین میں علوم و فنون کی شاندار جامعات تھیں۔ یورپ میں علوم کے ابتدائی مدارس بھی ناپید تھے۔ جب اسپین کی شخصی لائبریریوں میں لاکھوں کتب تھیں، یورپ کے بادشاہوں کی لائبریریوں میں گنتی کی کتب ہوتی تھیں۔ یورپ کے غیر فطری موسم کی طرح ان اقوام کا مزاج و نفسیات بھی ہمیشہ انتہا پسندانہ اور وحشت و بربریت کا شائق رہا۔ خوریزی و وحشت گردی اور سازشیں ہمیشہ ہی یورپ کی فطرتِ ثانیہ رہی ہیں، سپین میں یمن و حجاز کے قبائل کے مابین عصبیتِ جاہلیہ کی خانہ جنگی نے سپین سے عرب سلطنت اکھاڑ پھینکنے کا موقع یورپ کو فراہم کر دیا، اس طرح سپین سے طبعیاتی (سائنسی) اور دیگر کائناتی علوم کی ترقیات کی بساط لپیٹ دی گئی۔ سپین کی تباہی کے ساتھ ساتھ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی خلافتِ عباسیہ اور عالم اسلام کے بڑے حصے کی تباہی و بربادی نے مسلمانوں کے علوم و فنون اور تہذیب کو زوال پذیر کر دیا۔ اگرچہ جلد ہی تاتاری نسل نے اسلام قبول کر کے اپنی شمشیر خارا شکاف سے مشرقی رومن امپائر کے بڑے حصے کو فتح کر کے مشرقی کرپین کیپٹل قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا۔ تاتاریوں کا پس منظر جنگجو یا نہ تھا، وہ اسلام کے بازوئے شمشیر زن تو بن گئے مگر عربوں کے تجرباتی و سائنسی علوم کے وارث نہ بن سکے۔

جب ترکوں اور مشرقی بازنطینی سلطنت روما کے درمیان جنگ رہی رومن امپائر (پوپ) مشرقی عیسائیت سے شدید نفرت و عداوت کی بناء پر خاموش تماشائی بنی رہی لیکن جب ترکی افواج نے یورپ کے مشرقی ممالک کو فتح کرنا شروع کیا تو یورپ (مغربی سلطنت روما) اور ویٹیکن کے پوپ و پادریوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مکمل خاتمہ تک اعلانِ جہاد کر کے اپنی ساری طاقتِ صلیبی جنگوں میں جھونک دی۔ اگرچہ سقوطِ سپین اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد عالم اسلام میں علوم و فنون کا زوال شروع ہو گیا مگر اب بھی علوم میں وہ یورپ سے بہت فائق تھا۔ یورپ کی شروع کردہ صلیبی جنگیں یورپ و مسیحیت کی مکمل شکست پر منتج ہوئیں۔ ان جنگوں میں یورپ نے مسلمانوں کی علمی برتری کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ شکست کے اسباب پر غور و خوض اور اسلام اور مسلمانوں کے مکمل استحصال کے لیے کسی نئے لائحہ عمل کی تلاش میں مغرب کے مذہبی پادری و سکالر اور حکمران سر جوڑ کر بیٹھے۔

تیرہویں صدی عیسوی (۱۲۷۰ء) میں شاہ فرانس نہم نے جسے مصر میں گرفتاری کے بعد تیونس پر حملہ میں مکمل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا، مرتے وقت وصیت نامہ میں لکھا کہ ہم عرصہ سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوششوں میں

مصروف ہیں۔ شدید جنگوں کے باوجود ہم غالب نہیں آ سکے کیوں کہ مقابلہ کے وقت مسلمانوں میں ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا مقابلہ مشکل ہے۔ اس لیے اب ہمیں دوسرے وسائل و اسباب اختیار کرنے چاہئیں اور اس کی یہی تدبیر ہے کہ جنگ کو عسکری محاذ سے علمی و روحانی محاذ پر منتقل کر دیا جائے۔ یہ وصیت نامہ آج بھی پیرس میں محفوظ ہے جس میں چار نکاتی پروگرام پیش کیا گیا ہے:

(۱) مسلمان قائدین میں پھوٹ ڈالنا

(۲) کسی راسخ العقیدہ صحیح فکر و عمل والی جماعت کو منظم نہ ہونے دینا

(۳) مسلم معاشرہ کو بے حیائی، اخلاقی انارکی اور رشوت وغیرہ کے ذریعے کھوکھلا کرنا

(۴) غزہ (فلسطین) و اسرائیل سے انطاکیہ تک وسیع و متحد یورپین امپائر قائم کرنا۔

چنانچہ شہنشاہ فرانس کی وصیت کی روشنی میں محاذ جنگ کو اسلحہ سے علم کی طرف موڑنے کا کام شروع ہوا، اس سلسلے میں سب سے اہم پیش رفت اس وقت ہوئی جب یورپ کا سب سے بڑا سائنس دان راجر بیکن (Roger Bacon) اور طلیطہ (Toledo) کارنیس الاساقفہ (آرچ بپش) ریمندل (Ramad lull) نے رومن پوپ سے (جو تقریباً ۷۰۰ سال سے عملاً یورپ کا حکمران تھا) طویل مذاکرات و مباحثوں کے بعد عربی زبان اور اس کے ذریعے مسلمانوں کے علوم (کائناتی و سائنسی) کو حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ پوپ کو شروع میں تردد تھا کہ کہیں عربی زبان اور علوم کی راہ سے مسلمانوں کا تمدن اور مذہب نہ سرایت کر جائے۔ بڑی رد و قدح کے بعد ان سکالرز نے پوپ کو اطمینان دلایا کہ مسلمانوں سے علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ ہم اسلام کو مخ کرنے اور اسلام کی نفرت انگیز و دہشت گردانہ تصویر بنانے کا کام بھی ساتھ ہی کریں گے۔ تب پوپ نے ایک عظیم مشن کے طور پر اسلامی علوم و فنون سیکھنے اور ان علوم میں مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کے کام کی اجازت دی۔

اقوام عالم کے درمیان جنگ کا فیصلہ کن پہلو ہمیشہ علمی رہا ہے۔ شکست کھانے والی اقوام کے لیے دوبارہ غلبہ و عروج کی راہ صرف علم کی شاہراہ سے گزرتی ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جاپان پر امریکی فتح درحقیقت امریکہ کی سائنس و ٹیکنالوجی کی فتح تھی۔ اس بھیاں شکست کے بعد جاپان نے شکست کے حقیقی اسباب یعنی علم اور سائنس پر توجہ مرکوز کر کے علوم فطرت میں پیش رفت جاری رکھی۔ نصف صدی کے اندر اندر اس چھوٹے سے جزیرے نے دنیا کی سب سے بڑی امپائر کو پیچھے دھکیل دیا۔ اب امریکہ کے لیے ممکن نہیں رہا کہ وہ جاپان کو نظر انداز کر سکے۔ علم نے مفتوح کو فاتح پر برتری دلوا دی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں عربوں سے ملنے والے علمی ورثہ نے عثمانیوں (ترکوں) کو اس قابل بنادیا تھا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی سیاسی و عسکری طاقت (رومن امپائر) کا سامنا کر کے اسے شکست دے سکیں مگر ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے صرف عسکری قوت پر تکیہ کیا، علمی ورثہ کو آگے بڑھانے پر توجہ نہیں دی کیوں کہ ترکوں کا ماضی محض عسکری تھا،

وہاں کوئی علمی روایت نہیں تھی۔ انھیں احساس اس وقت ہوا جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک طرف مغرب علم میں بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے دوسروں سے علم اخذ کرنے کی صلاحیت کھودی تھی۔ علم سے استفادے کے لیے وسعت نظر ضروری ہے۔ جابر بن حیان کا قول ہے ”علم میں اضافے نیز نئے انکشافات و ایجادات کے لیے انسان کے سامنے کوئی حد نہیں، اسے چاہیے کہ وہ تمام کائنات کے اسرار منکشف کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اس عالم سے ماورئی جو اسرار ہیں ان سب کو منکشف کرنے کی اسے صلاحیت عطا کی گئی ہے۔“

اسی طرح القانون مسعودی کے مقدمہ میں مسلم دنیا کی سب سے بڑی علمی و سائنسی شخصیت البیرونی کا قول نقل کیا گیا ہے: ”میں نے وہی کیا جو ہر انسان کو اپنے فن میں کرنا لازم ہے یعنی اگلوں کے اجتہادات و انکشافات کو ممنونیت کے ساتھ قبول کرے اور کہیں خلل پائے تو بے جھجک اس کی اصلاح کرے اور جو کچھ اس فن میں اسے سوچھے اپنے بعد کے زمانہ میں آنے والوں کے لیے محفوظ کر جائے۔“

برطانیہ کے سب سے بڑے مؤرخ آرلڈ ٹوٹن بی نے اعتراف کیا کہ یونان و روم کے علم الاضنام (بت پرستی) نے علم کو سب سے زیادہ نقصانات پہنچایا، اس نے مظاہر قدرت کو معبود (دیوی دیوتا) بنا کر تجربہ اور سائنس کا باب بالکل بند کر دیا۔ انسانیت پر علوم و سائنس کا دروازہ قرآن کے انقلابی نظریہ توحید نے کھولا اس انقلابی نظریہ نے مظاہر قدرت کو معبود کے مقام سے اتار کر ادنیٰ مخلوق اور انسان کو اشرف مخلوق کے درجہ میں رکھا، اسی طرح مظاہر قدرت و اشیائے کائنات، پرستش کے بجائے تسخیر اور فائدہ اٹھانے کی چیزیں بن گئیں۔ یہی بات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴ء) کے مقالہ نگار نے لکھی: ”یونانی علوم کا رومنوں کی بے توجہی سے خاتمہ ہو گیا تھا، دوبارہ یورپ کو یہ تمام علوم عربوں اور عربی کتب کے واسطے سے ملے۔ عربوں نے ان علوم میں بیش بہا اضافہ کر کے واپس کیا، اس طرح یورپ میں سائنس کے احیاء کا دور شروع ہوا۔“

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یورپ نے عربوں سے اکتساب علم اور عربی کتب کے ترجمے صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے شروع ہو گئے تھے۔ یہ عمل صدیوں تک مسلسل جاری رہا۔ ان کے مراکز ہسپانیہ، سسلی (اطلی) اور بیرظہ (ترکی) رہے۔ چنانچہ فرانس کا مشہور مؤرخ موسیو لیبلان اپنی کتاب ”تمدن عرب“ میں لکھتا ہے ”عربی اور اسلامی علوم صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے اندلس و سسلی کے ذریعے پہنچے۔ البتہ اس میں تیزی بارہویں صدی میں پوپ راجر بیکن اور ریمندل کے منظم منصوبہ کے بعد آئی۔ ۱۱۳۰ء میں طلیطہ کے آرچ بشپ ریمندل (Remandlull) کی سرپرستی میں عربی سے لاطینی مترجمین کا ادارہ قائم ہوا، جس نے مختلف فنون کی عربی کتب کا لاطینی میں ترجمہ کیا: ”یادر ہے ۱۰۸۶ء میں طلیطہ (Toledo) کے سقوط کے بعد طلیطہ کے نادر کتب خانے عیسائیوں کے قبضے میں آئے۔ عیسائی قبضے کے بعد بھی بدستور عربی زبان کا چلن رہا۔ طلیطہ کے نادر کتب خانے عیسائیوں کے قبضے میں آئے۔ طلیطہ کے آرچ بشپ ریمندل (1115-1126) نے ایک دارالترجمہ قائم کیا جو عربی سے لاطینی میں تراجم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہ

دارالترجمہ تقریباً ایک صدی تک کام کرتا رہا۔ اس میں مسلم علماء، یہودی مترجمین اور مغربی اہل قلم سب ہی ملازم تھے۔ اس ادارے کا سربراہ ایک اطالوی جرد آف کریمونا (Gerard Cermona) تھا جس نے خود کم از کم اے نادر کتب کا ترجمہ کیا۔ اس عہد میں فلسفہ، ریاضی، طب کے علوم کو خصوصیت کے ساتھ مغربی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ریمینڈل نے کلیسا کو دعوت دی کہ علوم شرقیہ کے مطالعے کو علمی و روحانی صلیبی جنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے یہی کام روجر بیکن نے کیا۔

مغرب نے ان مجالس و مباحثوں میں اپنی کمزوریوں کی تشخیص کر لی تھی اور وہ دشمن (مسلمانوں) کی برتری کے راز معلوم کر چکے تھے، اس کمزوری کو رفع کرنے اور دشمنوں پر برتری حاصل کرنے کا جامع منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اسلامی و مشرقی علوم کا گہرا مطالعہ اس جنگی منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھا۔ مستشرقین اس علمی و روحانی حروب صلیبیہ کا ہراول دستہ تھے۔ اس دور میں اس موضوع پر یورپ میں سنجیدگی سے بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں، اغراض و مقاصد کا تعین ہوا، طریقہ کار طے کیے گئے، علوم مشرقیہ کے با مقصد مطالعہ کا دور شروع ہوا جن کا سب سے اہم متعینہ مقصد تھا عیسائیت کی ترویج اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے خود کام کیا جائے اور دوسروں کو مواد پہنچایا جائے۔ کلیسا کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں اسلام کے تمدنی و مذہبی اثرات مغرب میں نفوذ نہ کر جائیں، اس خدشے کے پیش نظر کلیسا نے انھیں کالے علوم کا خطاب بخشا اور اپنی حدود میں ممنوع قرار دیا اور مسلمانوں کے مادی و کائناتی علوم و نقل کرنے سے پہلے ان بپتسمہ (اسلامی اثرات ختم کرنا) ضروری سمجھا گیا۔

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ ۱۳ویں صدی عیسوی میں یورپ میں جب علم کا چرچا شروع ہوا اس وقت ان کا مظہر وہ یونیورسٹیز تھیں جو ابتداً صرف انھی شہروں میں قائم ہوئیں جو عربی و اسلامی علوم کے اخذ و اکتساب کے مراکز تھے۔ مغربی مورخین نے بار بار ان جامعات کے قیام کی توجیہ کرنے کی کوشش کی مگر اطمینان بخش توجیہ نہ دے سکے کیوں کہ یہ جس انداز میں قائم ہوئیں ماضی میں ان کی کوئی مثال یورپ میں موجود نہ تھی، ان کا تصور نہ یونانیوں کے ہاں تھا نہ یورپ کے قرون وسطیٰ میں۔ یہ جدید یونیورسٹیاں اپنے منصوبوں اور تمام تر اصول و فروغ میں صرف اور صرف اسلامی عربی یونیورسٹیوں کی تقلید پر قائم تھیں۔

عربوں نے اجنبی اقوام سے علم سیکھنے کا کام اس وقت کیا جب وہ اسلام قبول کر چکی تھیں یا اسلام کے زیر نگین آچکی تھیں، اس لیے عربوں کے اجنبیوں سے علمی استفادے میں تعصب کا عنصر بالکل نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس مغرب نے عربوں کو اپنا دشمن و حریف سمجھتے ہوئے ان سے علم اخذ کرنا شروع کیا۔ اس سے ان کے ہاں علمی سرورقہ رواج پایا کہ مسلم علماء و سائنس دانوں کی دریافتوں، انکشافات اور ایجادات کا سہرا اپنے ہشپوں، پادریوں اور سکالرز کے سر باندھ دیا جائے۔ چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں ابن عدون (Abn Adon) نے تحریر کیا: ”کتابوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ اس کا ترجمہ کر کے اپنے ہشپوں (Bishops) سے منسوب کر دیتے ہیں۔“

عربوں نے شروع ہی سے علم حدیث کی طرح ہر علم میں استاد پر زور دیا، یعنی عرب مصنفین یہ بتانا ضروری سمجھتے تھے کہ یہ علم انھوں نے کس سے لیا۔ جب کہ یورپ میں استاد کا رواج کبھی نہیں رہا۔ خصوصاً لاطینیوں کے ہاں عربوں کی طرح یہ اصول نہیں تھا کہ تصانیف کو ان کے اصل لکھنے والوں سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال خود ریمنڈل اور روبریکین ہی ہیں جنھوں نے تمام عمر عربوں سے علوم اخذ کیے، بعد میں بہت سی کتب لکھیں جو سب عربی الاصل یا عربوں کی کتب کا ترجمہ ہیں مگر اس کو کہیں ظاہر نہیں کیا۔ ان کا تمام تر انحصار الکندی، ابن سینا، ابن رشد وغیرہ وغیرہ جیسے عرب مؤلفین پر رہا۔ راجر بیکن کو تو پوری طرح عربوں کا شاگرد کہنا چاہیے، یورپ میں اس کی پہچان جن نئی اہم دریافتوں کے حوالے سے ہوئی یہ سب عربوں کی دریافتیں تھیں مثلاً راجر بیکن سے علم البصريات میں جو کارنامے منسوب ہیں ان کی بنیاد ابن الہیثم کے نظریات پر تھی، اسی طرح طب و فلکیات کا علم مغرب کو سپین کے مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون سے ملا، جس نے ابن سینا کی القانون اور مسلمانوں کے دیگر بکثرت علوم کا ترجمہ کر کے دیا ایلارڈ آف باتھ (Adelord of Bath) جو مغرب میں جغرافیہ و فلکیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، اس کی مشہور کتاب (Introduction to the Astronomy) الخوارزمی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ مغرب کے مشہور مصنف رابرٹ نے الخوارزمی کے الجبرے کے علم کو لاطینی میں منتقل کیا، جس کی وجہ سے عربی ہندسوں نے رومن ہندسوں کی جگہ لی اور مغرب میں صفر کا استعمال شروع ہوا جس پر آج کی ریاضی، ٹیکنالوجی اور سائنس کا دار و مدار ہے ورنہ رومن ہندسوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ریاضی، سائنس، ٹیکنالوجی میں استعمال ہو سکیں۔ ایک عرب عالم کی کتاب المعراج کا ترجمہ الفانسو دہم کے لیے کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں آسن پولاسس (Asin Polacius) نے یہ تحقیق کر کے مغرب کے علمی حلقوں میں تہلکہ برپا کر دیا کہ دانٹے کی تصنیف (Divine COmmedia) اسی کتاب المعراج کا چر بہ ہے۔ ریمنڈل کو ۲۰۰ سے زیادہ اہم کتب کا مصنف سمجھا جاتا ہے۔

جدید تحقیق سے واضح ہو گیا کہ یہ سب عربی تالیفات کے ترجمے ہیں۔ اسی طرح علی بن موسیٰ مجوسی کی کتاب ”کامل الضاعۃ الطبیہ“ یورپ کے اطباء میں دو سو سال تک اس حیثیت سے مقبول رہی کہ یہ مسیحی قسطنطین کی تصنیف ہے۔ عظیم البرٹس (Albertus Magnus) کو یورپ میں ارسطو کے علوم کا سب سے بڑا عالم و ماہر سمجھا جاتا رہا۔ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ وہ یونانی زبان سے ناواقف تھا، اس نے ارسطو کے جو کچھ علوم پیش کیے، وہ سب کے سب ابن سینا، ابن رشد وغیرہ کی شروح کا سرقہ تھا۔ تاتاریوں کے ذریعے بغداد کے کتب خانوں کی تباہی اور اس کے بعد قرطبہ، طلیطہ کے کتب خانوں کا نذر آتش ہو جانا ایسے عظیم سانحے تھے جس نے علمی سرقوں کی تحقیقات کا امکان ہی ختم کر دیا۔

یورپ کی سرقت کی یہ رو ۱۶ویں صدی عیسوی تک برابر چلتی رہی۔ حتیٰ کہ ۱۷ویں صدی تک مغرب کی تاریخ علوم میں عرب علماء، سکالرز کا نام یکسر فراموش ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعد والی یورپین نسلیں اور سکالرز یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ ان کے پاس جو کچھ علوم ہیں، وہ عربوں کے عطا کردہ ہیں۔ بندہ کے نزدیک یہ مغرب کی علمی دہشت گردی ہے کیوں کہ اس

سب کے لیے سرقہ کا لفظ بہت چھوٹا پڑتا ہے۔

الغرض یورپ ۱۶ویں صدی عیسوی تک کائناتی علوم و سائنس میں آگے نکل گیا اور اسے عالمی طور پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۶ویں صدی میں مغل امپائر اکبر اعظم کے دور میں برصغیر کے حایوں کے جہاز ان کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت ہمارے علماء و سکالرز اس قسم کی مجالس منعقد کر کے معروضی حالات کا جائزہ لے کر ملت اسلامیہ کو بتاتے کہ یورپ کا عروج درحقیقت علمی و سائنسی ہے، یورپ نے یہ علم ہمارے اسلاف ہی سے حاصل کر کے ان میں مزید اضافہ کر کے غلبہ و قوت حاصل کی ہے۔ اس لیے ہمیں ان علوم کو جو ہماری ہی میراث ہے، دوبارہ حاصل کر کے مغرب کو علم کے میدان میں شکست دینی ہے تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائی، جیسے ۱۳ویں صدی میں یورپ، راجر بیکن، ریمینڈیل کے حصول علم کے فیصلے کے بعد یورپ میں دہرائی گئی مگر ہم نے اپنی کوتاہ فہمی سے جہد و مقابلہ کو علمی و سائنسی میدان کے بجائے صرف اسلحی اور ثقافتی و تہذیبی میدان تک محدود رکھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ علم و سائنس میں سبقت کی وجہ سے ہم مغرب سے اسلحی و عسکری طور پر بھی مغلوب بلکہ مکمل محتاجی کے عالم میں ہیں۔ اسی میدان میں مقابلہ کرتے رہے جس میں یورپ کی فتح و کامیابی اور ہماری شکست و تباہی یقینی تھی۔ ہم نے جہد و کوششوں کا رخ علوم کے بجائے یورپ کی تمدن و ثقافت اور معاشرتی خرابیوں کے رد تک محدود رکھا جو آسمانی تعلیمات سے محروم اور نفس و خواہشات کے اتباع کرنے والی قوموں کا خاصہ ہے۔

الجزائر کے شیخ عبدالقادر، لیبیا کے سیدی احمد شریف سنوسی، داغستان کے امام شامل سے لے کر افغانستان کے طالبان تک دینی علوم و اصناف کے اعتبار سے بہترین لوگ تھے۔ آج الجزائر، لیبیا، داغستان و افغانستان میں عسکری جہد و جہد کا نتیجہ سامنے ہے۔ اب بھی ضرورت ہے کہ جدوجہد کو علمی، سائنسی و تحقیقی محاذ کی طرف بھی موڑا جائے جس طرح ۱۳ویں صدی عیسوی میں یورپ کے مذہبی سکالرز نے کیا تھا۔ تب ہی مستقبل میں مغرب کی ہمہ جہتی غلامی سے خلاصی کی امید رکھی جاسکتی ہے ورنہ مزید تباہی و غلامی سامنے ہے۔

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہین بخاری (امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)	ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان دفتر احرار 69/C وحدہ روڈ میٹرو ٹاؤن لاہور 2 نومبر 2008ء اتوار بعد نماز مغرب
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نماز مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے تحریک تحفظ ختم نبوت (عبدتیلخ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465	